سیرت رسولؐ اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین

رشید احمد جالندھری

طٰہٰ حسین نے ۱۹۳۳ء میں سیرتِ رسولؐ پر "علی ہامش السیرۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور پیشِ لفظ میں یہ کہا کہ یہ کتاب مؤرخین یا سکالرز کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ انہوں نے سیرتِ رسولؐ پڑھتے وقت جو تأثرات لئے، وہ خود کاغذ پر منتقل ہونے کے لئے بے تاب ہو گئے، کیونکہ "میری روح (سیرت پڑھتے وقت، محبت سے) معمور ہوگئی، پیمانۂ دل چھلک اٹھا، میری زبان گویا ہوگئی اور میں نے دیکھا کہ بے اختیار ان صفحات کو رقم کررہا ہوں"۔ طٰہٰ حسین کے ساتھ بھی وہی بات ہوئی جو آج سے بہت پہلے عزّالدین مقدسی کے ساتھ پیش آئی تھی، مقدسی نے بے اختیار ہوکر کہا تھا:

"میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو محبت کے راز کو فاش کر دیتے ہیں، مگر ہوا لیں کہ محبت کی دلہنیں میرے دل میں رقص کرنے لگیں جس سے میرا دل جگمگا اٹھا اور راز، راز نہ رہا"۔[1] طٰہٰ حسین نے پیشِ لفظ میں مزید کہا کہ آج کل کلاسیکی ادب سے جو اپنا ایک فطری حسن رکھتا ہے، لوگوں کا تعلق نہیں رہا میں قارئین کو اس ادب سے آشنا کرانا چاہتا ہوں۔ کلاسیکی ادب کو اس لئے ترک کر دینا کہ وہ ایک پرانی چیز ہے اور جدید کو اس لئے اختیار کرنا کہ وہ ایک نئی شی ہے، ایک مہمل دلیل ہے، قدیم کو صرف اس وقت چھوڑا جا سکتا ہے جب وہ ہر قسم کے فائدے سے خالی ہو، لیکن اگر وہ مفید اور نفع مند ہو تو پھر جدید کی بہ نسبت کسی طرح بھی کم اہمیت کا مالک نہیں ہے۔

طٰہٰ حسین تقلید سے نفرت کرتے ہیں، لیکن کلاسیکی ادب کے مدّاح ہیں، مزید یہ کہ وہ سیرت رسولؐ پر قدماء کی تحریروں کو کلاسیکی ادب کا حصہ شمار کرتے ہیں جس سے وہ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔ طٰہٰ حسین کی کتاب کا ماٰخذ سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کتابوں میں ضعیف اور کمزور

---

[1] وماکنت ممن یظھر السرّ انما : عروس ھواھا فی ضمیری تجلت
فألقت علی سرّی أشعۃ نورھا : فلاحت لجلاسی خفایا طویتی۔

ناامیدی اور پھر آمنہ کے بچے کو لینے پر اصرار اور بستی میں بچے کی نشوونما اور حلیمہؓ کے گھر کی آبادی، ان سب واقعات کو بیان کرنے کے بعد طٰہٰ حسین نے لکھا کہ میں کسی ایسے بچے کو نہیں جانتا جو اس بچے کی طرح بچپن کی زندگی سے اس قدر متاثر ہوا ہو اور اس نے زندگی بھر بچپن سے ملنے والی یادوں کو محفوظ رکھا ہو، جن لوگوں نے اس کے ساتھ بھلائی کی اور اچھا سلوک کیا، ان کے ساتھ اس بچے نے برابر وفا کی۔ جونہی اسے احسان اور بھلائی کے جواب میں اچھا سلوک کرنے کی ہمت ہوئی تو اس نے حسن سلوک کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا کردار لوگوں کے اندر ضرب المثل بن گیا اور دلوں میں عجیب و غریب اثر چھوڑا۔ ابولہب کی ثوبیہ نامی ایک باندی نے حلیمہؓ سے پہلے انہیں چند دن دودھ پلایا تھا۔ جب آپ کو اس چیز کا پتہ چلا تو آپ نے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھا اور اپنی بیوی خدیجہؓ سے کہا کہ وہ ابولہب سے اس باندی کو خرید کر آزاد کر دیں، لیکن ابولہب نہ مانا، لیکن اس کے باوجود آپ جب تک مکہ میں رہے آپ نے ثوبیہ کو اپنے کرم سے نوازا اور جب مدینہ تشریف لے گئے تو بھی اپنی ماں کو نہ بھولے۔ وقتاً فوقتاً آپ اس کے لئے کپڑوں اور دوسری چیزوں کا تحفہ بھیجتے رہے جب خیبر سے واپس ہوئے تو آپ سے کہا گیا کہ ثوبیہ رحلت کر گئی ہیں، آپ نے ان کے عزیز کے بارے میں پوچھا تاکہ اب اسے اپنے لطف سے نوازیں، پتہ چلا کہ ثوبیہ نے اپنے پیچھے کسی کو نہیں چھوڑا۔

بستی والوں کی زندگی مشکلات سے گھری ہوتی ہے۔ حلیمہؓ ایک دفعہ مکہ میں آئیں اور اپنے بیٹے سے زندگی کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے امداد مانگی، آپ نے خدیجہؓ سے کہا تو انہوں نے حلیمہؓ کو ایک اونٹ اور چالیس بکریاں عطا کیں۔ پھر دوسری بار آئیں تو آپ نے دیکھتے ہی ماں! ماں! کہہ کر پکارا اور اپنی چادر ان کے لئے بچھا دی۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ تمام عرب آپ کے سامنے سرنگوں ہوئے جنگ حنین میں خدا نے آپ کو قبیلہ ہوازن پر فتح دی اور مال غنیمت میں جو کچھ ملا اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ دوسری صبح ہوازن کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اس نے کہا کہ آپ نے ہمارے قبیلے میں دودھ پیا ہے ہم نے آپ کو ایک نفیس بچے اور پاکیزہ نوجوان کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ آپ کا خاندان ہم ہیں۔ خدا نے اگر آپ پر احسان کیا ہے تو آپ ہم پر احسان کریں۔ آپ نے اس قبیلے کے تمام آدمیوں کو اور مال و دولت کو جسے آپس میں تقسیم کیا گیا تھا، واپس لوٹا دیا۔ اس یتیم بچے نے جسے آگے چل کر انسانی تاریخ نے اولوالعزم

بہرنوع عبدالمطلب دنیا سے رخصت ہو گئے ایک وقت تک ان کی یاد لوگوں کے دلوں میں باقی رہی اور پھر آہستہ آہستہ زندگی کے ہنگاموں میں تحلیل ہوتی گئی یہاں اس واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۱۹۶۴ء میں جب مسٹر چرچل فوت ہوئے تو ان کے جنازے پر جو انتظامات کئے گئے، ان انتظامات کی ترتیب خود چرچل نے اپنی زندگی میں دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کا جنازہ دھوم سے اُٹھے گا اس لئے اس نے خود ہدایات دیں کہ گانے کی کونسی دھن گائی جائے، لندن کے کن بازاروں سے ان کا جنازہ گزرے اور فوج کے کون کون سے دستے ساتھ ہوں۔ عجیب بات ہے کہ جب ۱۹۵۲ء میں چرچل بادشاہ کے جنازہ میں جا رہا تھا، تو ایک مقام پر انتظامات کی ہلکی سی کوتاہی پر اس نے انتظامات کے سربراہ سے کہا کہ یہ حرکت میرے جنازے کے ساتھ نہ کرنا۔ عبدالمطلب کو خود اپنی عظمت کا احساس تھا۔ اس لئے اس نے اپنا مرثیہ خود سننے کی تمنا ظاہر کی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ کتاب کی پہلی جلد میں عبدالمطلب ہیرو کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں، چنانچہ طٰہٰ حسین نے عبدالمطلب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کھینچ کر قارئین کو یہ تاثر دیا کہ ایک مکمل اور خوبصورت شخصیت کسے کہتے ہیں۔ اس کے بعد طٰہٰ حسین نے ایک دوسرا باب رسول کریمؐ کے بچپن، جو اس پوری کتاب کے اصل ہیرو ہیں، کے بارے میں لکھا کہ کس طرح دیہات کی عورتیں مکہّ میں آئیں تاکہ رواج کے مطابق مالدار بچوں کو تربیت کے لئے اپنی بستی میں لے جائیں۔ جب یہ عورتیں مکہّ کے مالدار گھرانوں کے بچوں کو لے کر چلی گئیں تو ان میں سے ایک حلیمہ نامی خاتون کو کوئی بچہ نہ ملا اور اس ڈر سے کہ اسے خالی ہاتھ واپس اپنے گاؤں جانا پڑے گا مجبوراً آمنہؓ کے گھر آئیں اور اس یتیم بچے کے لئے مطالبہ کیا۔ شروع میں بچے کی ماں نے ان دیہاتی عورتوں کے رویے کو دیکھ کر اپنا بچہ دینے سے انکار کیا لیکن حلیمہؓ کے مخلصانہ اصرار اور حلیمہ سے بچے کے اُنس کو دیکھ کر اپنا بچہ دینے کے لئے تیار ہو گئیں۔ جب حلیمہؓ اپنے خاوند کے ساتھ اس بچے کو لے کر واپس اپنے گاؤں آئیں تو میاں بیوی نے محسوس کیا کہ ان کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ ان کی صبح اور شام نئے انداز سے طلوع ہو رہی ہے اور ان کی اقتصادی اور اجتماعی زندگی میں بہتری کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس یتیم بچے کے طفیل تھا جس کو شروع میں لینے سے وہ ہچکچاہٹ محسوس کر رہے تھے۔ مکہّ میں دیہاتی عورتوں کی آمد، حلیمہؓ کی

پھر اسے خیال آیا کہ کس طرح یتیم پوتے کی ولادت نے بیٹے کے غم کو ہلکا کیا وہ اپنے پوتے کو محمدؐ یا احمد کے نام سے نہیں پکارتا تھا۔ بلکہ میرے بیٹے کے نام سے پکارا کرتا تھا، وہ کہا کرتا تھا: جاء ابنی وذھب ابنی، میرا بیٹا آگیا، میرا بیٹا چلا گیا، اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس کا بیٹا (پوتا) ایک نہ ایک دن بہت بڑے مقام پر پہنچنے والا ہے۔ پھر یہ تمنا بھی اس کے دل میں مچلنے لگی کہ کاش اس کی زندگی میں اور اضافہ ہو جائے تاکہ وہ اپنے بیٹے کی عظمت اور شان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ لیکن زندگی کو تمناؤں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور موت کی راہ کو زبردستی روکا نہیں جا سکتا۔ وقت نے لوگوں کے ساتھ کوئی ایسا عہد و پیماں تو نہیں باندھا کہ ان کی تمناؤں کو ہر قیمت پر پورا کیا جائے۔ کیا عبداللہ کی زندگی نے اس کا ساتھ دیا کہ وہ اپنے یتیم بچے کو دیکھ سکے۔ بلکہ عبداللہ کو مرتے وقت یقین تھا کہ اس نے اپنے پیچھے کوئی یادگار نہیں چھوڑی۔ ایسے ہی کیا زندگی نے آمنہ کو مہلت دی کہ وہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہو سکیں؟ اس لئے اگر زندگی کی رفتار کسی کی خاطر نہیں بدلتی تو پھر آج عبدالمطلب کے لئے وہ اپنا رُخ کیوں بدلے جس نے کہ اس زمین پر سو سال سے بھی زیادہ مدت بسر کی ہے اور زندگی کی مسرتوں اور حسرتوں دونوں کا مزا چکھا ہے۔ غرضیکہ عبدالمطلب کے دماغ میں اس کی اپنی زندگی کا ڈرامہ چل رہا تھا

دنیا سے عبدالمطلب کے سفر کا نقشہ طٰہٰ حسین نے یوں کھینچا ہے گویا کہ عبدالمطلب کے دل و دماغ میں دوڑنے والے خیالات پر طٰہٰ حسین کی نگاہیں شب خون مار رہی ہیں، اور عبدالمطلب کے دل میں بہنے والی واقعات کی ندی میں طٰہٰ حسین خود تیرتے پھر رہے ہیں۔ طٰہٰ حسین نے مزید لکھا کہ عبدالمطلب نے خود اپنی بیٹیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ جس طرح خواتین اپنے مُردوں پر روتی ہیں اس طرح وہ بھی روئیں کیونکہ وہ اپنی موت پر ہونے والے نوحہ و بکا کو خود سننا چاہتا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر وہ خود اپنے آپ پر رونے کی ہمت رکھتا تو ایسا کر لیتا۔ چنانچہ اس کی بیٹیوں نے عبدالمطلب کے محاسن اور فضائل کا ذکر کرتے ہوئے رونا شروع کیا اور ان کے دلوں میں عبدالمطلب کی موت سے غم و حزن کی جو لہر اُٹھنے والی تھی، اس کی تصویر یہ کھینچی، عبدالمطلب کا بچہ چارپائی کے پیچھے کھڑا ہوا یہ سب چیزیں دیکھ رہا ہے، اور اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس پر خود اس کا اپنا دل بھر آیا اور اس کی آنکھوں سے خاموش آنسو بہہ پڑے، جنہیں اگر عبدالمطلب دیکھ لیتا تو شاید خوش ہوتا۔

(ص۔ ۱۸۵ - ۱۸۹)۔

ہے اور وہ پابندیٔ رسوم کو عرفانِ ذات کا مقام دیتا ہے، تو پھر مذہب کے نام سے انسانی خون بھی گرایا جاتا ہے، یہی کچھ یمن کے حکمران خاندان نے کیا، ایک وقت تھا کہ یمن کے بت پرست طاقتور حکمران تبع کو دو راست بازیہودی مذہبی رہنماؤں نے یثرب میں قتل وغارت سے روکا پھر انہی روحانی رہنماؤں کی دانائی اور راست بازی کو دیکھ کر یہودی مسلک اختیار کر لیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا لیکن دین کی سچی روح سے عاری تھا اور پھر ایک وقت وہ آیا، کہ خود یہودی مسلک رکھنے والے یمنی حکمرانوں نے یہودیت کے نام پر لوگوں کا خون بہایا۔ نجران کے لوگ ایک خدا رسیدہ راہب کے ہاتھوں نصرانی ہو گئے۔ لیکن جب یہودی حاکم نے ان کو دوبارہ بزور یہودیت میں لانا چاہا تو اہلِ نجران نے انکار کر دیا۔ اس انکار پر بادشاہ نے اپنی حماقت اور جہالت سے ان لوگوں کو آگ میں زندہ جلا دیا۔ یہی واقعہ تھا جس کی بنا پر قیصرِ روم کے کہنے پر نجاشی نے اپنا نمائندہ ابرہا پورے ساز و سامان کے ساتھ یمن بھجوایا تھا، مگر افسوس کہ جو غلطی یمن کے یہودی حکمران سے ہوئی وہی غلطی گورنر ابرہا سے ہوئی جس نے مکّہ میں کعبہ کو ڈھانا چاہا لیکن خود برباد ہوا۔ (ص ۶۵-۱۴۶)

ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد طٰہٰ حسین نے پھر اپنے ہیرو عبدالمطلب کی کہانی چھیڑ دی، عبدالمطلب کی موت پر تفصیل سے لکھا کہ مرتے وقت عبدالمطلب کی نگاہوں میں خود اس کی اپنی زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح سامنے آجاتی ہے، اور وہ اس کے ایک ایک ورق کو الٹ رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے ایک طویل زندگی کے بعد محسوس کیا کہ موت آہستہ آہستہ اس کی طرف آرہی ہے اور اس کا تعلق اب اس دنیا سے ٹوٹ رہا ہے۔ چنانچہ بستر مرگ پر عبدالمطلب کے دماغ میں اس کی زندگی کے سارے واقعات ایک ایک کر کے گھومنے لگے۔ عبدالمطلب نے مقدور بھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کی، مختلف ملکوں میں تجارتی سفر کئے۔ مکہ میں اہل وعیال میں قیام رہا، مکہ کی صبح و شام کی پوری داستان اس کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ جس میں عبدالمطلب کو لوگوں کی بھلائی کے علاوہ کوئی فکر نہ تھی۔ یہ ساری باتیں اس کے ذہن میں گھومتی رہیں۔ وہ مشکلات اور مصیبتیں جن سے اسے واسطہ پڑا، بھی اس کی آنکھوں کے سامنے آگئیں۔ لیکن یہ مشکلات کبھی بھی ان کے بلند ارادوں پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ وہ اپنے بیٹے عبداللہ کے بارے میں بھی سوچتا رہا کہ وہ کس قدر اس سے پیار کرتا تھا اور وہ کس طرح جوان ہوا، شادی ہوئی اور پھر جوانی ہی میں شام کا سفر کیا لیکن واپس گھر آنا نصیب نہ ہوا،

دادا محترم۔ زمزم کی دریافت، عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی، عبداللہ کی سفر تجارت پر روانگی اور واپسی پر راہ ہی میں وفات، یمن کی مذہبی حالت، رسول کریمؐ کی ولادتِ مبارکہ، یتیمی اور دیہات میں پرورش، ان مسائل پر اپنے مخصوص انداز میں لکھا۔ پہلی جلد میں عبدالمطلب ایک ہیرو کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ عبدالمطلب کی وجاہت، حکمت و دانائی اور صبر وتحمل، غرضیکہ عبدالمطلب کی شخصیت کے یہ تمام حسین پہلو طہٰ حسین نے اس خوبی و روانی سے بیان کئے ہیں، کہ آدمی اپنے سامنے عبدالمطلب کو جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا دیکھتا ہے۔ جن لوگوں نے ہمارے پرانے دیہاتی بزرگوں کو دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان ان پڑھ دیہاتی بزرگوں کے جلو میں حکمت و دانائی کس شان سے چلتی ہے۔ ان کے روشن چہرے پُر نور پیشانیاں، چمکتی آنکھیں اور معصوم مسکراہٹیں، زندگی کے دکھوں پر قابو پانے کا کیسے سبق دیتی ہیں۔

عبدالمطلب کی بلند و بالا شخصیت بھی اسی روپ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ سنگین حالات میں اپنے پر مکمل کنٹرول رکھ کر خود اعتمادی سے بات کرنا اور مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا عبدالمطلب کا خاص وصف ہے۔

طہٰ حسین نے عبدالمطلب کے خدوخال بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے مکہ کی لق و دق جگہ میں زمزم کا چشمہ دریافت کیا اور یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اپنے محبوب جواں سال بیٹے کی وفات کو انتہائی صبر اور وقار سے سنا، ہر چند کہ ان کا دل دہل دہل گیا تھا۔ یہ عبدالمطلب ہی تھے جنہوں نے اپنی بیوہ بہو کا ہر طرح سے خیال رکھا اور پھر جب مکہ پر نجاشی کے گورنر ابرہا نے حملہ کیا تو اس سے حملہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا کیونکہ خدا پر مکمل اعتماد اور ذاتی وقار مجروح ہو رہا تھا۔

عبدالمطلب کے بعد طہٰ حسین نے یمن میں جو قدیم تہذیب کا گہوارہ تھا، یہودیت اور نصرانیت پر لکھا کہ انہوں نے کس دانائی اور راستی سے حکمران خاندان اور عوام کے دلوں کو گرمایا۔ طہٰ حسین نے ان دونوں مذاہب کے خدا رسیدہ لوگوں کی دعوت اور ذاتی کردار کو یمن میں مذاہب کے فروغ کا سبب قرار دیا۔ طہٰ حسین نے دوسرے مذاہب کی حسن و خوبی کا اعتراف جس انداز سے کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آدمی کی نگاہ سچائی پر جم جاتی ہے، تو پھر اس کے فکر و نظر پر فرقہ وارانہ تعصب کی کوئی پرچھائیں نہیں پڑتی۔ لیکن جب آدمی کی زندگی سے مذہب کی سچی روح غائب ہو جاتی

روایات بھی ہیں جن کو اہلِ نظر نے کبھی قبول نہیں کیا۔ طٰہٰ حسین کو اس بات کا احساس ہے چنانچہ انہوں نے یہ کہا: "ممکن ہے کہ میری اس کتاب سے بعض لوگ کبیدہ خاطر ہوں اس لئے کہ وہ صرف عقل پر اعتماد کرتے ہیں، اور ان روایات کو قابلِ احترام نہیں جانتے جن پر عقل اعتماد نہیں کرتی۔ لیکن ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عقل ہی سب کچھ نہیں ہے۔ لوگوں کی اور بھی فطری خواہشات ہیں جو عقل کی طرح اپنی غذا اور نشاط کی محتاج ہیں، اگر ان روایات سے عقل مطمئن نہیں ہے یا منطق خوش نہیں ہے یا علم کا اندازِ فکر اسے پسند نہیں کرتا تو نہ سہی لیکن اس بات سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ لوگوں کے جذبات، خیالات شعور ان روایات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور اس طرح سے وہ زندگی کی مشکلات اور دکھوں سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لیتے ہیں۔ سو یہ روایات جہاں شرافت کے جذبات کو بیدار کرتی ہیں، شر و فساد پر قدغن لگاتی ہیں وہاں زندگی کے مصائب اور اس کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے بھی مددگار ثابت ہوتی ہیں"۔

یہاں پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ طٰہٰ حسین ادب کو ایک مستقل وجود کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ چنانچہ جہاں وہ ادب کو سیاست یا نئے نظریات کا آلہ کار بنانے کے خلاف ہیں، وہاں وہ اسے واعظ یا اخلاقیات کا نقیب بھی بنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حسن حسن ہے، جو بذاتِ خود مطلوب و مقصود ہے۔ طٰہٰ حسین نے مزید کہا کہ ابوالعلاء معری ان لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے جو یہ کہتے ہیں کہ شہد کی مکھی انسان کے لئے شہد تیار کرتی ہے، وہ شہد خود اپنے لئے تیار کرتی ہے۔ رہا طٰہٰ حسین کا یہ کہنا کہ سیرت سے متعلق ادب و روایات انسان میں شرافت کے جذبات کو بیدار کرتی ہیں، شر و فساد پر قدغن لگاتی ہیں، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہ ہوگا کہ وہ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ادب ان کے ہاں ایک مستقل وجود رکھتا ہے اور وہ نام ہے حسن و جمال کا تو پھر اس سے لطیف جذبات نہیں تو کیا بد ذوقی اور پستی رواج پائے گی۔ [۲]

پہلی جلد ۱۹۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں انہوں نے عبدالمطلب، رسول کریمؐ کے

۲۔ ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی پر طٰہٰ حسین نے کافی لکھا، اس سلسلہ میں ان کی ایک مشہور تقریر بیروت میں ہوئی جس کا پورا متن "الآداب"، مئی ۱۹۵۵ء، بیروت نے اپنے ایک خاص نمبر "الادب والحیاۃ" میں شائع کیا۔

پیغمبر کی حیثیت سے یاد کیا، خود اپنے والدین کو کیسے یاد رکھا۔؟ اس کے بارے میں طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال (۶ھ) مقام صوابہ سے گذرے تو اپنے پروردگار سے اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی چنانچہ آپ قبر پر گئے اور تھوڑی دیر رکے۔ استغفار کی اجازت مانگی نہ ملی، آپ روتے ہوئے واپس ہوئے، آپ کو دیکھ کر سارے مسلمان بھی رو پڑے۔ فتح مکہ کے وقت مکہ میں ایک جگہ آپ کا گذر ہوا، آپ قبر پر رک گئے، شاید یہ قبر عبدالمطلب کی تھی، آپ نے یہاں بھی صاحب قبر کے لئے استغفار کی اجازت مانگی جو نہ ملی۔ آپ افسردہ واپس ہوئے، روئے جس پہ سارے لوگ رو پڑے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ پہلے اس قدر کبھی نہیں روئے تھے۔ ان واقعات سے رسول کریمؐ کے جذبات کی رقت، و لطافت کا بیان مقصود ہے، گردشِ لیل و نہار ہو یا عمرِ طبعی کی شام، ان میں سے کوئی بھی چیز پیغمبر کے لطیف جذبات پر اثر انداز نہیں ہو سکی، انہیں اپنی ماں سے یا دادا بزرگوار سے جو محبت ہے وہی انہیں ان کی قبر پر لے گئی تھی۔

طٰہٰ حسین نے پہلی جلد میں عبدالمطلب اور رسول کریمؐ کے بچپن کے تذکرہ میں جو اسلوب اختیار کیا ہے، اس کی تاثیر سے قاری کا دل و دماغ جھوم جھوم اٹھتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ طٰہٰ حسین ان واقعات کو پڑھتے وقت خود روئے ہیں اور اس کی چشم خون بار نے اپنے آنسوؤں سے اس کتاب کو رنگین کیا ہے۔ اس لئے اس نے یہاں دوسروں کو بھی رلایا، طٰہٰ حسین نے اپنے پیش لفظ میں یہ درست ہی کہا تھا کہ منطق اس کے اسلوب کو پسند کرے نہ کرے، البتہ وہ انسانی جذبات و عواطف کو جو تحفہ دے رہے ہیں، اس کی قدر و قیمت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے۔ جس مقصد کے لئے طٰہٰ حسین نے کتاب لکھی اس میں وہ کہاں تک کامیاب رہے، اس کا فیصلہ تو پڑھنے والے ہی کریں گے اور وہ بھی دوسری اور تیسری جلد کا جائزہ لینے کے بعد، البتہ ہمارے نزدیک وہ ان لوگوں میں سے یقیناً نہیں ہیں جو خشک منطق کی سیاہی سے سیرت رسولؐ لکھنے بیٹھتے ہیں اور پھر شکوہ کرتے ہیں کہ ان کی کتاب نے ان کی موت سے پہلے ہی دم توڑ دیا ہے۔

******